مستیٔ عاشقان خدا ازسبوی ماست
انقلابِ اسلامی میں اقبال کی فکری اساس

*ڈاکٹر سید علی عباس

Allama Muhammad Iqbal's philosophy and theory of revolution

Dr. Syed Ali Abbas

Allama Muhammad Iqbal's philosophy and theory of revolution has emerged from his dynamic concepts of God, universe, history, individual and society. Rejecting the metaphysics based on the static concepts of God, universe, history, individual and society, he made a re-statement of metaphysics which emphasized dynamism and activism. Iqbal adjudged all static ideologies of inaction and quietism, which had crept into the Muslim society from the Greek and particularly Plato's ideology of maxims, and static philosophy, as contrary to the Holy Qur'an. Making them the target of his severe criticism Iqbal adjudged them contrary to the spirit of the Holy Qur'an. He declared in the very first sentence of the preface to his Reconstruction"The Qur'an is a book which emphasizes deed' rather than'idea".Though the metaphysics of dynamism and activism created by Iqbal is present in his verse, its comprehensive explanation exists in"The Reconstruction of Religious Thought in Islam". Consequently, the topics of "Lectures"_ themselves show that, discarding the hypothetical methodology based on deductive logic, and basing on the study of nature, history and the individual's own personal states, he establishes such a soiled sense-oriented methodology on the foundations of knowledge which is rooted in ligic's inductive style. Therefore, in the thought and intuition created by this inductive methodology the Allama

☆نقاد،محقق،دانشور، منڈی بہاءالدین

emphasizes the presence of a religious experience on the basis of an organic relationship. By creating an organic relationship between religion and knowledge, and between thought and intuition, he leads on to accept the religious experience as a scientific way of acquiring knowledge, like other social sciences.

The theme in the theory of revolution by Iqbal is to present intuition itself as the foundation of the background of psychology and sciences so as to build a new world of learning based on that foundation, and to establish a new world of learning with the help of the study of the inner knowledge of the Holy Qur'an and Sunnah with the knowledge and technology as a fore-runner whose metaphysics may be completely based on the Holy Qur'an. Iran is a country with ancient civilization, old history, an astonishing heritage and rich culture. Iranians have a rich knowledge base in almost every field ranging a wide variety of subjects. Their libraries are full of original books, periodicals and journals all written in Persian▪ Arabic. This is a priceless treasure accumulated over centuries and well preserved by Iranian scholars and researchers. Iran has one of the world's oldest as well as most advanced knowledge bank and its people are not dependent on any other nation for acquiring knowledge. Iran is the land of Rumi, Firdausi, Hafiz and Khayyam, whose classic works has been, and is, a source of inspiration for centuries. Pakistan is also known as the land of the Shaer-i-Mashriq Dr. Allama Iqbal, a famous poet and maestro of inspirational poetry and change philosophy. This article narrates a stunning twirl made in Iran and the deep-rooted relationship of Dr. Iqbal's work in prose and poetry manifested in the Islamic revolution of Iran.

قائدِ انقلاب اسلامی سید روح اللہ موسوی أَلْخُمَينِيِ ماضی قریب میں آلِ زہرا کے گوہرِ یگانہ کی حیثیت سے ابھرے اور ستیزہ گاہِ جہاں میں فطرتِ اسد اللہی کا مظاہرہ کرتے مرجبی و عنتری استعمار کو ایران بدر کر دیا۔ تاریخِ ایران کا مطالعہ بنی فاطمہ کے ان گنت احسانات کا عکاس ہے۔ قریباً سات سو سال قبل حضرت سید صفی الدین اردبیلی کے فیضانِ طریقت نے جہاں شرعی اقدار کو مستحکم کیا وہیں اس کا عکس ایران کے سیاسی و سماجی منظر نامے پر بھی نظر آتا ہے۔ متفاوت

نظریات اور افکار رکھنے والی ایرانی قوم صفی الدین اردبیلی کے جلیل القدر پوتے سید اسماعیل صفوی کے باعث ایک پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی اور سلطنت صفویہ کی محکم بنیاد رکھی جس نے نہ صرف ایران بلکہ ایران سے باہر بھی دوررس اثرات مرتب کیے۔ صفوی نظام حکومت نے ماضی قریب میں ایک بار پھر انگڑائی لی اور سادات موسویہ کاظمیہ صفویہ کے نقیب سید روح اللہ نے حسینی پرچم بلند کر کے 'لاَ شَرْقِیَّۃٌ لاَ غَرْبِیَّۃٌ بل ثوریہ اسلامیہ اور لا إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ کا نعرہ لگا کر شرق و غرب کی باطل قوتوں کو اسلام کی ابدی طاقت سے روشناس کرایا۔نقش إلاّ اللہ بر صحرا' کے راقم کی اولاد بھی 'سطر عنوان نجات ما' کی مصنف ہے۔خیر و شر،حق و باطل اور خلوص و نفاق کا عالمی منشور ایرانی حکومت کے دوٹوک موقف میں عیاں ہے۔ایرانی قوم ایک غیور قوم ہے جس کی حمیت اور ملی تشخص ان کے بیک زبان ادا ہونے والے جذبات میں پنہاں ہے۔انقلاب اسلامی کا دلیرانہ موقف اور انقلاب اسلامی کی پاسداری کا پرخلوص جذبہ لائق ستائش ہے۔اہل ایران کا عالمی رویہ اور امیر کے حکم پر لبیک کہنے کی فطرت بھی مستحسن ہے۔

سرزمین مہر و شکوہ

آل رسول علم و ادب کی علم بردار ہے۔جہاں حیات طیبہ میں شاہ خراسان امام علی رضا علوم شریعت و طریقت کے چشموں سے اہل عالم کو سیراب کرتے رہے وہیں آپ کے مدفن سے شرفیاب ارض مقدس،مشہد،علوم شریعت و طریقت کا سرچشمہ ہے۔بزم تصوف و طریقت کے سرکردہ رہنما آپ کی بارگاہ سے فیضیاب ہیں جن میں شاہ ہمدان،امیر کبیر سید علی ولی ہمدانی کا اسم گرامی ایک روشن ستارہ ہے۔آپ امام رضاؑ کی بارگاہ میں چلہ کش رہے اور فیضان طریقت سے فیضیاب ہوئے۔ امام رضا کے معارف کا سرچشمہ 'عیون اخبار الرضا' کے عنوان سے ہے جو تاقیامت تک آپ کے افکار سے عوام الناس کو آگہی بخشے گا۔شرعی مسائل پر 'فقہ الرضا' ایک اہم تصنیف ہے۔امام رضا اہل ایران میں ہیڈ آف دی اسٹیٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔مشہد کے قرب و جوار میں بکھرے ہوئے مزارات یا 'انوار پراگندہ' جا بجا شریعت و طریقت کا نور عام کر رہے ہیں۔نیشاپور دنیا میں غیر معروف نہیں۔اہل تصوف جہاں اس شہر کو فرید الدین عطار نیشاپوری اور ان کی اہم تصانیف و تالیفات کے باعث جانتے ہیں وہیں محدثین میں یہ شہر حاکم نیشاپوری اور 'اَلْمُسْتَدْرَکُ عَلی الصَّحِیْحَین' کے باعث دوام رکھتا ہے۔غرض یہ شہر تاریخی،تہذیبی اور ثقافتی حوالے سے جاوداں ہے۔مشہد ہی کے مضافات میں ایران کے قومی شاعر ابوالقاسم فردوسی کا مقبرہ ہے جو شاھنامہ فردوسی کے حوالے سے معروف ہیں۔حُجَّۃُ الْحَقِّ، أَوْحَدُ الدِّین حکیم علی محمد أَنْوَرِيْ خاوَرانِيْ أَبِیْوَرْدِيْ متوفی ۵۸۵ھ کہتے ہیں؛

چارشہر است خراسان را بر چار طرف — کہ وسطشان بمسافت کم صد در صد نیست
حبّذا شہر نیشاپور کہ در ملک خدای — گر بہشت است ہمین است وگرنہ خود نیست

طاق کسریٰ زیرِ پای امتش

ایران کی ثقافت اور مذہبی رجحانات کے مختصر جائزے کے بعد ایک نظر ان کی سیاسی بصیرت اور اصولی موقف پر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایرانی حکومت حسینی فلسفہ حیات پر کاربند ہے۔ آلِ رسول کی صدا پر لبیک کہنے والے ایرانی بجا طور پر حدیثِ نبوی سے مشرف ہیں کہ آپ نے فرمایا: عَنْ جابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ : لَتَفْتَحَنَّ عِصابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ أَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ كَنْزَ آلِ كِسْرَى الَّذِيْ فِيْ الأَبْيَضِ ؛ مومنین کی ایک جماعت کسری کی اولاد کے سفید (محل) کے خزینے پر فتح پائے گی۔ صحیح مسلم ۲۹۱۹۔ اسی طرح آپ نے فرمایا؛ جب دنیا سے علم اٹھ جائے گا تو اہلِ فارس اسے آسمان کی بلندیوں (ثریا ستارے) سے حاصل کر لیں گے۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں؛

> اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ تاریخِ اسلام کا اہم ترین واقعہ کون سا ہے تو میں بے تامل کہوں گا: 'فتحِ ایران'۔ نہاوند کی جنگ نے عربوں کو ایک حسین ملک کے علاوہ ایک قدیم تہذیب بھی عطا کی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ایک ایسی قوم سے روشناس ہوئے جو سامی اور آریائی عناصر کے امتزاج سے ایک نئی تہذیب کو جنم دے سکتی تھی۔ ہماری مسلم تہذیب، سامی اور آریائی تصورات کی پیوندکاری کا حاصل ہے۔ گویا یہ ایسی اولاد ہے جسے آریائی ماں کی نرمی و لطافت اور سامی باپ کے کردار کی پختگی و صلابت ورثے میں ملی ہے۔ فتحِ ایران کے بغیر اسلامی تہذیب یک رخی رہ جاتی۔ فتحِ ایران سے ہمیں وہی کچھ حاصل ہو گیا جو فتحِ یونان سے رومیوں کو ملا تھا۔

معاشی و معاشرتی ناہمواری اور عالمی پابندیوں کے باوجود اہلِ ایران کا اپنے موقف پر قائم رہنا قومی زندگی اور تمدنی شعور کا آئینہ دار ہے۔ شیراز میں تختِ جمشید Persepolis کے کھنڈرات اس عظیم سلطنت کی یاد دلاتے ہیں جس کی اطاعت میں عرب و عجم نے سرِ تسلیم خم کیے تھے۔ یہیں زرتشتیوں کا قبلہ نقشِ رستم اور زرتشت کا مزار اس قدیم مذہب کے پیروکار پارسیوں کے لیے متبرک حیثیت رکھتا ہے۔ کتابِ الٰہی توریت کا ایک باب The Book of Daniel یا 'کتابِ دانیال' کے نام سے معروف ہے جس کی یہودی مذہب کے پیروکار تلاوت کرتے ہیں۔ ایران کی سیاحت میں 'بحیرۂ کیسپیئن کا کنارہ' عالمی سطح پر سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ سرسبز و شاداب پہاڑوں، بہتے جھرنوں اور دلفریب و کیف آور وادیوں سے ٹکرانے والا بحیرۂ کیسپیئن کا پانی اور متواتر ہلکی بارش میں اڑنے والے آبی پرندے فرحت انگیز ہیں۔ خوبصورت درختوں کی متنوع اقسام سے سجی خوبصورت سڑکیں اور ان سڑکوں پر قاعدہ اور ترتیب ایران کا خوشنما چہرہ ہیں۔ ایرانی تہذیب و ثقافت کا ایک نمایاں پہلو توکل اور قناعت ہے۔ استعماری قارون کے سامنے کاسہ لیس ہونے کی بجائے اس غیور قوم نے آلِ رسول کی چوکھٹ پر

کشکول پھیلایا ہے۔حکیم الامت علامہ اقبالؒ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں سپاس پیش کرتے ہوئے ایران وشام اور چین وروس کے کردار سے امید وابستہ کیسے عرض گذار ہیں؛

آنے والے عجب انداز ،عجب شان سے آ　　نئے اعجاز دکھا اور نئے سامان سے آ
شام سے جلوہ نما ہو کے خراسان سے آ　　آخدا کے لیے آ،اب کسی عنوان سے آ
بکشا پردۂ رخسار بصد ناز بیا　　در لباسِ بشری جانب ما باز بیا
ہاتھ میں تیغ بھی ہو، رأیت اِسلام بھی ہو　　جسم پر جامۂ نوری بھی ہو،احرام بھی ہو
آب کوثر بھی تیرے ساتھ ہو اور جام بھی ہو　　تشنہ لب روس بھی ہو، چین بھی ہو، شام بھی ہو
سب کہیں واہ رے ذی شان رسالت تیری　　ہم کہیں واہ رے اسلام! صداقت تیری
تو بھی ہو ساتھ تیرے حلقۂ اصحاب بھی ہو　　یعنی انجم بھی ہوں اور جلوۂ مہتاب بھی ہو
فوج عِشاق ہو ہنگامۂ احباب بھی ہو　　پیچھے پیچھے تیری امت بصد آداب بھی ہو
کلمۂ طیبہ سے کون و مکاں گونج اٹھے　　'أشھَدُ أنَّ مُحَمَّدُ' سے جہاں گونج اٹھے
تا تہ و بالا نہ گردد این نظام　　دانش و تہذیب و دین سودائے خام

انقلاب!انقلاب،ای انقلاب

اقبال کے فکری ترنم کو ہندی نغمہ کہیں یا حجازی لے سے تعبیر کریں مگر اس کے آہنگ میں انقلابی روح کا اضطراب چھلکتا ہے۔وہ فکروعمل کی کارگہی میں تلاطم خیز تبدیلی کے داعی ہیں۔خود کو بدلنے اور گردوپیش کو بدل دینے کا جذبہ ہی ان کے فکروفلسفہ کی اساس ہے۔اقبال کا یہ اجتہادی نقطہ ہے جسے وہ مختلف مثالوں سے مربوط کرتے ہیں۔صحف سماوی کے ارشادات،فطرت کے تکوینی اصولوں،تاریخ کے حوالوں اور صبح وشام کے مشاہدات سے وہ تقویت حاصل کرتے ہیں۔کائنات کے مظاہر کا ہر لمحہ نئے وجود میں نمودار ہونے سے وہ اپنے تصورات کو ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ہر شے رنگ تِغیر سے نمو پذیر ہوتی ہے؛

ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی　　وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

تعمیرِ نو کے لیے پرانی روایات کو فرسودہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جانا چاہیے۔بزم کہنہ کو زندہ واردات میں تبدیل کرنا علامہ کو بہت عزیز ہے۔حسبِ ذیل شعر اس انقلابی خیال کی تائید کرتا ہے؛

پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ　　جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز

نئے افکار کے تلاطم سے ہی خاکے خلق ہوتے ہیں اور پھر مرئی صورتوں میں مجسم ہوتے ہیں۔اقبال کہتے ہیں کہ تکمیلی

صورت کا تصور کم نگاہی یا فریب نظر ہے۔ کیونکہ؛ جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود یا جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے

فسادِ نظر کے سبب اگر ایسا دکھائی نہ دے تو لازم ہے کہ موجود کو زیروزبر کر دے۔ ارمغانِ حجاز کا قطعہ ملاحظہ ہو:

دگرگوں عالم شام و سحر کر جہانِ خشک و تر زیر و زبر کر
رہے تیری خدائی داغ سے پاک میرے بے ذوق سجدوں سے حذر کر

انقلاب سب سے پہلے درونِ دل پیدا ہو یا فکر و خیال میں ہلچل پیدا کرے، یہ پہلی صورت یا زاویہ ہوگا۔ جان وتن سے انقلاب کی شورش کا آغاز ہو۔ اس کے لیے وجود کے آتش کدے کو روشن کرنا پڑے گا۔ شرر کا استعمال علامہ اقبال نے کثرت سے کیا ہے۔ ان کی انقلابی فکر میں یہ علامت اور استعارے بہت ہی معنی خیز ہیں۔ انھوں نے جس جرأت وجسارت کا اظہار کیا ہے وہ فکر و شعر کی دنیا میں ناپید ہے۔ ابھی تک یہ آواز نہیں سنی گئی تھی؛

مرے گلو میں ہے اک نغمہ جبرئیل آشوب سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

یہی نوائے شوق ہے جس سے حریم ذات وصفات میں شور برپا ہے، کعبہ وسومنات میں فسوں طاری ہے۔ اقبال نے خوابیدہ یا نیم مردہ دلوں میں خونِ گرم رواں کر کے جینے کے اسرار سکھائے ہیں؛

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو لاہور سے تا خاکِ بخارا وسمر قند

یا نوائے من بہ عجم آتش کہن افروخت یعنی ایشیا کی راکھ میں بجھی ہوئی آگ کو شعلے کی لپک میں نے بخشی ہے۔

اس قول کی روشنی میں چشم دل وا کر کے موجودہ منظر نامے کو ملاحظہ فرمائیں تو اضطراب کا ادراک ہو سکے گا۔ ان کا یہ احساس غلط نہ ہوگا:

برقہا خوابیدہ در جانِ من است میرا بدن بجلیوں کی خوابگاہ ہے

بہ ظاہر تنِ خاکی اس کا مسکن ہے مگر یہ معاشرے کی تمام وسعتوں پر محیط ہے۔ اقبال کا پیامِ اولیں یہی انقلابی روح ہے جو مزاحم قوتوں کو شکست دیتی ہوئی افلاک کی عظمتوں سے ہم کنار اور دامن یزداں سے دادخواہ ہوتی ہے؛ یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک!

یہ انقلاب جب انگڑائیاں لیتا ہے تو عالم افلاک زیر زمیں اور یہ کرۂ زمیں بالائے آسمان نظر آتا ہے۔ یہی حوصلہ قوموں کی تقدیر کے احوال رقم کرتا ہے۔ اقبال اور خودی جذب باہمی کا نام ہے۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ خودی اپنے وجود کی عظمتوں کا شعوری احساس ہے جو ہر ذرۂ کائنات کو تڑپنے پھڑکنے کی توفیق بخشتا ہے۔ یہ راہ میں حائل مزاحم قوتوں سے ہر لحظہ نبرد آزما رہتی ہے۔ شدتِ احساس کو اقبال نے ''شعورِ خویشتن'' یعنی اپنی ذات کے ادراک کا اقرار کہا ہے۔ احساس کی رفعتوں کے اظہار یا روبہ عمل لانے میں تخریبی طاقتوں کے خلاف احتجاج مشروط ہے۔ یہ تیسری

منزل ہے۔احتجاج کے موثرات معدوم یا بے اثر نظر آئیں تو انقلابی روح کی بیداری کا اعلانیہ واجب ہوتا ہے جس میں ہر جبروتی طاقت اور اسکندر و چنگیز کی قوت کے خاتمے کے لیے صف بستہ ہونا پڑتا ہے ۔'سارے جہاں سے اچھا' کو صرف قومی ترانہ سمجھ لینا کم فہمی ہوگی۔سب سے اونچا ہم سایہ آسماں ہزاروں ندیوں کی عظمت کے ساتھ گلستاں،کارواں کی اجتماعی قوت اور اس کی پسپائی کا احساس دردِنہاں بن جاتا ہے۔غیر ملکی حکومت کی غلامی کا یہ احساس سوزِ دروں کی صدائے دردناک بھی ہے۔معلوم کیا کسی کو دردِنہاں ہمارا۔ ۱۹۰۴ء میں تخلیق پانے والی اہم نظم 'تصویر درد' ہے۔ترانے کا دردِنہاں شدتِ احساس کے ساتھ برملا اظہار میں بدل جاتا ہے۔آ گہی میں احتجاج کی لے تیز تر ہو جاتی ہے؛

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو   تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

مغربی اقتدار کی غلامی اور نافذ کردہ دستورِ زباں بندی کے خلاف احتجاج کی یہ پہلی آواز تھی جس میں لائحہ عمل بھی مرتب کیا گیا ہے۔تحریکِ آزادی کے کسی قائد کی زبان یا خیال میں اس احتجاجی آواز کی مثال نہیں ملتی۔ تین سال بعد ۱۹۰۷ء میں سرزمینِ یورپ میں اس آواز کی تندوتیزی میں کہیں زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔یہ اقبال کی بے مثال جرأتِ اظہار ہے کہ وہ یورپ کی تہذیب کو چیلنج کر رہے ہیں؛

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے   تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

اس سے بڑی حریت آموز صدا میں فرنگی کے دور میں رہ کر علی الاعلان ''مشرق از سلطانیِ مغرب خراب'' یا ''عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزیِ افرنگ'' یا تختۂ دکاں شریکِ تخت وتاج۔ان سے سخت بات پر بھی توجہ درکار ہے۔تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا۔عام طور پر کسی خاص مسئلہ فہم یا نظام میں تبدیلی کے لیے انقلاب کو آواز دی جاتی ہے۔کرۂ ارضی پر برپا ہونے والی انقلابی صورتوں کی تاریخ یہی کہتی ہے کہ ظلم وتشدد،آزاد ملک وملت،استحصال وآمریت وغیرہ کے خلاف نعرے انقلاب کی پرشور آوازوں کے ہم خوگر اور ان کے نتائج سے بھی باخبر ہیں۔اقبال نے ان میں نئی جہات کی توسیع اور صورتوں میں اضافے کیے ہیں جو ان کی منفرد فکر کا ماحصل ہے۔ان کے انقلابی تصورات کا پہلا مرحلہ اپنے وجود کے باطن سے شروع ہوتا ہے۔یہ وہ نکتہ ہے جو ہر انقلاب کا مصدر اور مقدرطے کرتا ہے۔باطن کے انقلاب کے بغیر بیرونی مظاہر میں تعمیر وتخریب کا امکان نہیں ہوتا۔وجود کے اندر پیدا ہونے والا خروشِ احساس ہی تمام شورشوں یا سرگرمیوں کو برق ورعد کی توانائی فراہم کرتا ہے۔یہی ہر نقشِ کہن کو مٹانے اور کاخ وکو کو تعمیر کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔انھوں نے مزید وسعت دے کر اسے تکوینی نظام کا تکملہ قرار دیا ہے۔وہ ذی روح اور بے جان کی فطرت میں بھی اس عنصر کی موجودگی کا اقرار کرتے ہیں۔ہر ذی روح کے باطن میں یہ صدا سنی جا سکتی ہے،کہ خاکِ زندہ ام در انقلابم،ولیکن ایں نوائے سادہ کسیت ، کسے در سینہ می گوید کہ ہستم ،اور غیر

ذی روح میں دیکھئے، تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات ۔اقبال اس حقیقت سے واقف تھے کہ جہانِ مستعار میں جینے کا مزہ نہیں ہے بلکہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنا ہی حیاتِ انسانی کا مقصد ہے؛

اپنی دنیا آپ پیدا کراگر زندوں میں ہے　　سِرِ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اقبال نے اپنی اساسی فکر کو خودی سے تعبیر کیا ہے اور یہ بذات خود باطن کے انقلاب کی علامت ہے ۔یہ ایک احساس ہے اور غیر مرئی ہے مگر عمل کی رو سے خارجی پیکر میں نمودار ہوتی رہتی ہے ۔تخلیق سے اس کا وجود آشکار ہوتا ہے ۔یہی اس کی بقائے وجود کا حاصل بھی ہے ۔اس کے مٹنے یا معدوم ہونے سے امتوں کی رسوائی مقدر بن جاتی ہے اور اگر موجود ہوتو پہاڑوں کے سینے شگاف کرتی ہے ۔گویا 'خودی انقلاب آفرینی کا دوسرا نام ہے ۔' :

آتش استی بزمِ عالم بر فروز　　دیگراں را ہم ز سوزخود بسوز

یعنی اپنے چراغ سے دنیا کو روشنی بخش دو اور اپنی آگ سے دوسروں کو بھی جلادو ۔

اقبال کو شرق وغرب میں استحصال اور استبداد کا زمانہ ملا تھا ۔بنی نوع بشر کی آبرو پامال کی جارہی تھی ۔اقبال کا سوزِ دروں محسوس کیجیے؛

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یاری ہے　　قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

یہ ۱۹۲۲ء کی بات ہے ۔آشوبِ قیامت کا منظر عام ہو چکا تھا: 'دلوں میں ولولہء انقلاب ہے پیدا' کو اقبال نے محسوس کیا اور اپنی فکر کے آہنگ میں شامل کر لیا ۔نقطہ نظر کی تبدیلی میں تاخیر نہ ہونے دی ۔اظہار کا پیرایۂ بیان بھی بدل گیا ۔احتجاجی اسالیب میں انقلابی للکار کا خطاب محبوب آہنگ بن جاتا ہے ۔یہ آوازیں صرف اقبال سے ہی منسوب کی جائیں گی ۔اردو کیا ملک کی دیگر زبانوں میں یہ مثالیں موجود نہیں ہیں ۔ستیز، رُستاخیز، آتش نفساں خیز، از خواب گراں خیز کے ساتھ بیدار ہو، جاگو، بپا، اٹھو، تیار ہو، چلو، پھونک ڈالو، برہم کردو، لہو گرم کرو، جلادو، راکھ کا ڈھیر بنادو، خونی کفن پہنو، شمشیر وسناں سے لیس ہو، مردانہ وار موت کو قبول کرو، صلۂ شہید، حاصل کرو، تقدیرِ یزداں بن جاؤ، کون ومکاں میں ہلچل برپا کرو، جیسے شورانگیز خطابات کہیں اور نہیں ملتے : 'اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر'، 'اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے'، 'اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو'، 'تنِ پیدا کن از مشت غبارے'، 'خیز کہ در کوہ ودشت خیمہ زد ابرِ بہار'، 'بیا کہ قاعدہ آسماں بگردانیم'

اس فکر کی ایک اور جہت قابلِ غور ہے ۔بیداری کی ان شورانگیز آوازوں کا منظر نامہ انقلاب اسلامی سے براہِ راست نسبت رکھتا ہے ۔ملک کی غلامی کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا نعرہ ۱۹۰۴ء سے شروع ہوتا ہے اور تواتر کے ساتھ اس میں شدت بڑھتی جاتی ہے ۔'مثنوی پس چہ باید کرد' آخری دور کی یادگار ہے ۔اس میں ایک ذیلی عنوان ہے 'اشکے چند برافتراقِ ہندیاں' اقبال ملک کے باشندوں کے محسوسات میں ایک طوفاں بدوش تصور بیدار کرتے ہیں کہ قوموں کے اختلاف

کاانجام ہلاکت ہے:

تا فرنگی قومے از مغرب زمین ثالث آمد در نزاعِ کفر و دین

کس نداند جلوۂ آب از سراب انقلاب! انقلاب ای انقلاب

اس نظم کے آخری شعر کی معنویت اور پیغام کی نوعیت فکرِ اقبال کی منتہا معلوم ہوتی ہے:

ای جواں داماں ِ او محکم بگیر در غلامی زادۂ آزاد میر

۱۹۱۵ء میں اسرارِ خودی شائع ہوئی۔ اس میں ایک باب ہے کہ خودی ہاتھ پھیلانے سے مردہ ہوتی ہے۔خودی استحصال اور مفلسی سے نفرت رکھتی ہے:

از سوال افلاس گردد خوار تر از گدائی گریہ گر نادار تر

اردو نظم ’گدائی‘ کا یہ شعر قابل توجہ ہے:

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا

انقلابِ روس (۱۹۱۷ء) نے فکرِ اقبال کے معاشی پہلو کو مہمیز کیا۔نظم خضرِ راہ ۱۹۳۲ء مزدور و سرمایہ دار کی عبرت ناک کشاکشوں کا آئینہ ہے۔ یہ نظم اقبال کی احتجاجی آواز کو شورش و سلاسل میں بدل دیتی ہے۔تقریباً اسی زمانے میں پیامِ مشرق کی نظمیں لکھی گئیں۔ان میں مزدور کی بدحالی کا دردناک منظر موجود ہے؛

بریشم قبا خواجہ از محنت ِ او نصیب تنش جامۂ تار تارے

نہ دردیدۂ او فروغِ نگاہے نہ در سینۂ او دِل بے قرارے

خواجہ نانِ بندۂ مزدور برد آبروئے دخترِ مزدور برد

نے بجامش بادہ ونے در سبوست کاخ ہا تعمیر کردہ خود بکوست

وہ ریشمی قبائیں تیار کرتا ہے مگر خود پھٹے کپڑے پہننے کے لیے مجبور ہے۔آنکھیں نور سے خالی ہیں اور سینے میں آرزو نہیں ہے۔سرمایہ دار مزدور کی روٹی ہی نہیں چھینتا بلکہ اس کی بیٹی کی آبرو بھی خراب کرتا ہے۔وہ بھوکا ننگا رہ کر دوسروں کے لیے محلات تعمیر کرتا ہے اور خود گلی کوچے میں زندگی بسر کرتا ہے۔

سرما کی ہواؤں میں عریاں ہے بدن اس کا دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالا

ان مشاہدات نے اقبال کو معاشی استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ دیا جو انقلاب کی شورش کا سبب بنتا گیا اور وہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ جب تک اس نظام کا خاتمہ نہیں ہوتا تب تک دانش و تہذیب و دیں سب سودائے خام ہیں۔عدم مساوات کے اس نظام کو نیست و نابود کرنے کا پیغام اقبال کی شناخت ہے۔تہس نہس کرنے کی صدا کو لبیک کہنا

انگریزوں کے اقتدار کو للکارنا تھا۔ بڑے سے بڑے مصلح وسیاسی رہنما کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اقبال کے سینے میں انقلاب کی آگ غضب ناک شعلہ بن چکی تھی۔ انگریزی نظام کو اس طرح مخاطب کرنا آسان نہ تھا:

''تم نے لوٹی کشتِ دہقاں تم نے لوٹے تخت وتاج'' یا ''خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب''؛

از جفائے دہخدایان کشتِ دہقانان خراب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب

اقبال کی انقلابی فکر احتجاج کی راہ سے گزر کر حریت کی شورش تک جا پہنچی ہے۔ یہ بھی نظر میں رہے کہ علامہ کا انقلابی نعرہ صرف ان کے عہد کے جبر وظلم کے خلاف نہ تھا بلکہ ہر دور کی جبروتی طاقت کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ضربِ کلیم کا ابتدائیہ اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف، ہر عہد کا اعلانیہ ہے۔ اقبال ان حدوں سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں تک مارکس اور لینن کی انقلابی آواز کی رسائی نہ ہوسکی۔ ان کے تمام حمایتی مل کر بھی یہ نعرہ نہ دے سکے:

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی اس کھیت کے ہر خوشہ ء گندم کو جلا دو

یہ شعر ہر انقلابی آواز کا نعرۂ مستانہ بن گیا۔ زبانِ خلق پر یہ شعر انقلابی الہام بن کر مشہور ہوا۔ ایک دوسرا زاویہ بھی پیشِ نگاہ رہے۔ ان کی انقلابی فکر میں تباہ وتاراج کرنا مقصد نہیں بلکہ حد درجہ شدتِ خلوص کے ساتھ تعمیر وتشکیل کی آرزو ہے جس میں تشدد اور تخریب کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ انقلابی پیغام میں ان کا رویہ اخلاص وایثار کا ہے۔ معاشرتی نظام کی فلاح و بہبود اس کا ہدف ہے۔ فرد کی اصلاح بھی مقصود ہے۔ اقبال نے انقلاب کے لیے مخلصانہ اور عاجزانہ دعائیں مانگیں۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب از جفای دہخدایان کشتِ دہقانان خراب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
شیخ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدام کافران سادہ دل را برہمن زنّار تاب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
میر و سلطان نرد باز و کعبتین شان دغل جان محکومان ز تن بردند و محکومان بخواب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ آن بہ پیری کودکی، این پیر در عہدِ شباب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
ای مسلمانان فغان از فتنہ ہای علم و فن اہرمن اندر جہاں ارزان و یزدان دیریاب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
شوخی باطل نگر اندر کمین حق نشست شپر از کوری شبیخونے زند بر آفتاب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
در کلیسا ابن مریم را بدار آویختند مصطفیؐ از کعبہ ہجرت کردہ با اُم الکتاب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
من درونِ شیشہ ہائے عصرِ حاضر دیدہ ام آنچناں زہری کہ از وی مارہا در پیچ وتاب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب
با ضعیفان گاہ نیروی پلنگان می دہند شعلہ ئی شاید برون آید ز فانوسِ حباب انقلاب! انقلاب، ای انقلاب

سرمایہ دار مزدور کی رگوں کے خون سے خالص لعل بنا رہا ہے اور دیہی خدا/ جاگیر دار کے ستم سے کسانوں کے کھیت اجڑ گئے ہیں۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ شہر کے عالم نے تسبیح کے دھاگے سے سینکڑوں مومن باندھے ہوئے ہیں۔ سادہ دل کافروں کے لیے برہمن زنار بنا ہے۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ میر اور سلطان یعنی حکمران چوسر کھیلنے والے ہیں اور وہ بھی ایسی جس کے پانسے دغل ہیں کہ ہر دفعہ وہ ہی جیتیں۔ وہ محکوموں کی جان تن سے کھینچ لیتے ہیں اور محکوم خواب میں ہیں۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ واعظ تو مسجد میں ہے یعنی سینکڑوں برس پرانی تعلیم دے رہا ہے اور اس کا بیٹا جدید مدرسے میں یعنی جدید تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ وہ بزرگی میں بچہ بنا ہوا ہے اور یہ عین جوانی کے عالم میں بوڑھا ہو گیا ہے۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ اے مسلمانو! علم و فنون کے فتنوں سے فریاد کرو کہ شیطان تو جہاں میں عام ہو گیا ہے اور خدا مشکل سے ملنے والا ہے۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ باطل کی شوخی تو دیکھ کہ حق کی گھات میں لگا ہوا ہے۔ دن کی اندھی چمگادڑ سورج پر شب خون مار رہی ہے۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ عیسائیوں نے کلیسا میں ابن مریم کو سولی پر چڑھا دیا ہے اور محمدؐ کو کعبہ سے قرآن کے ساتھ ہجرت کرنی پڑی۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ میں نے موجودہ زمانے کے پیالوں میں دیکھا ہے وہ زہر کہ اس کی وجہ سے زہریلے سانپ بھی تڑپ رہے ہیں۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ بعض دفعہ کمزوروں کو شیروں کا جسم و طاقت مل جاتی ہے۔ شاید پانی کے بلبلوں سے شعلہ برآمد ہو جائے۔ الٹا ڈالو، بدل ڈالو، سب کچھ بدل ڈالو۔ زبور عجم، حصہ دوئم، ۳۰

دوزخ کے کسی طاق میں افسردہ پڑی ہے   خاکستر اسکندر و چنگیز و ہلاکو

(اقبال)

رہبر اصلاح

شہید مرتضٰی مطہری نے اقبال کو 'رہبر اصلاح' کے حوالے سے یاد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقبال کے اصلاحی نظریات ان کے ملک کی سرحدوں کو پار کر گئے۔ اقبال مغربی تہذیب کا وسیع مطالعہ رکھنے کے باوجود مغرب کو ایک جامع انسانی نظریے سے محروم سمجھتے تھے۔ مطہری اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اقبال لاہوری کی آہ و فغاں ہے جو مسلمانوں کے خوابیدہ دلوں اور پریشان ذہنوں کو نسیم سحر کی طرح بیدار کر رہی ہے اور انہیں خلق خدا کی بے لوث خدمت اور انسانی آزادی کی بشارت کا احساس دلا رہی ہے۔ مطہری کا خیال ہے کہ اقبال جہاں مذہبی افکارِ نو کی تشکیل چاہتے تھے وہاں انہیں عمل کے احیا کے بغیر بے کار سمجھتے تھے۔ اقبال صرف ایک مفکر ہی نہیں تھے بلکہ صاحبِ عمل بھی تھے۔ وہ

استعمار کے خلاف تھے جس کا ثبوت ان کے عمل سے ملتا ہے۔ وہ مردِ میدان اور حریت کے محرک تھے۔ ان کے نزدیک اقبال ایک زبردست شاعر تھے جنہوں نے اپنی صلاحیتیں مقصدِ اسلام کو واضح کرنے کے لیے وقف کر دیں۔ مطہری فرماتے ہیں کہ اقبال کو مغرب کے تہذیب و تمدن سے پوری طرح آگاہی رکھتے تھے مگر اس کے باوجود وہ اس کے زبردست نقاد رہے۔ انہیں مغربی فلسفہ حیات اور اجتماعی زندگی سے گہری واقفیت رہی لیکن وہ مغربی مدنیت کو مرتبہ انسانیت سے کم تر تصور کرتے رہے۔ درحقیقت شاعری کی قوت اقبال کے ہاں ایک وسیلہ رہی لیکن ان کا اصل مقصد یہ نہ تھا۔ اقبال کی نظم و نثر ملتِ اسلامیہ کے شاندار ماضی کو خاطر نشین کرتی ہے، حال کے تقاضے سمجھاتی ہے اور بہتر مستقبل کی راہیں دکھلاتی ہے۔ ان کی کوشش رہی کہ اسلامی تاریخ میں چھپی شخصیات کے کردار کو منظر عام پر لا کر امت مسلمہ کو باخبر کریں۔ اسی وجہ سے اسلامی معاشرہ اقبال کا بڑا احسان مند ہے۔ عہد حاضر کا المیہ ہے کہ اشتراکی روس نے نہ تو اپنے مقدر کو مشرق سے وابستہ کیا اور نہ ہی ترکِ فرنگ پر آمادہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ کہ ردِ انقلاب کی تباہی سے دوچار ہو کر اُسی سرمایہ داری نظام کی چاکری پر مجبور کر دیا گیا جس کے خلاف ردِ عمل کے طور پر کارل مارکس نے اشتراکیت کا فلسفہ پیش کیا تھا۔ اسی اشتراکی فلسفے کو ایک انقلابی سیاسی پروگرام کی شکل دے کر لینن کی قیادت میں روس میں انقلاب برپا ہوا تھا۔ اقبال نے اس انقلاب سے یہ اُمید باندھی تھی کہ یہ انقلاب دوبارہ سرمایہ داری کے شکم کا ایندھن بننے کی بجائے نفی سے اثبات کی منزل کی طرف گامزن ہوگا۔ حقیقت کی دنیا میں تو یہ امید پوری نہ ہو سکی مگر اقبال نے لینن کو خدا کے حضور پیش کر کے خواب و خیال کی دنیا میں اشتراکی انقلاب کو اسلامی انقلاب کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے دکھا دیا۔ چنانچہ اقبال کی نظم بارگاہِ خداوندی میں لینن کی وکالت اس شان کے ساتھ کرتی ہے کہ فرشتے اس کے ہم نوا بن جاتے ہیں اور ذاتِ باری فرشتوں کو اسلام کے انقلابی معاشی تصورات کے نفاذ کا فرمان جاری کر دیتی ہے۔ سرمایہ دار طبقے نے اب تک خدا کے فرمان پر سرے سے غور ہی نہیں کیا۔ اس فرمان کی ایک ایک شق نفاذ طلب ہے۔ اس فرمان کا نفاذ مخصوص مفادات کے حامل جن طبقات کے لیے یومِ حساب کا حکم رکھتا ہے ان کے ذوق اور ذہنیت سے اقبال بخوبی آگاہ ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دُنیا کے غریبوں کو جگا دیں، غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے گرما دیں، پیرانِ حرم کو حرم سے نکال باہر کریں، خالق و مخلوق کے درمیان حائل پیری، مُلّائی اور سلطانی کے پردے اُٹھا دیں تاکہ غریب اور مظلوم خلقِ خدا امیروں کے محلات کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دے اور یوں دنیا میں معاشی انصاف کا بول بالا ہو۔ علامہ اقبال نے کسان کو جاگیر دار اور مزدور کو سرمایہ دار کے پنجۂ ظلم سے آزاد کرانے اور قرض کے شکنجے سے رہا کرانے کی خاطر شعر و حکمت اور سیاست و معیشت، ہر دو سے کام لیا ہے۔

خواجگی ان کی مسلّم ہے زمانے میں مگر   خواجگانند کہ نان از کفِ مزدور برند

(اقبال)

پس چہ باید کرد ای اقوامِ شرق

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آغاز میں اکثر و بیشتر ممالک بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ کی حالت میں تھے۔ اس دور کو انسانی خون کی ارزانی کے دور سے یاد کیا جائے تو بجا ہے۔ انسانی جانوں کا ضیاع اپنے عروج پر تھا پہلی جنگِ عظیم میں قریباً ایک کروڑ فوجی اور ایک کروڑ تیس لاکھ عام انسان مارے گئے۔ پوری دنیا میں افراتفری کا عالم تھا۔ امن وسکون کا سراغ مشکل ہی نہیں ناممکن دکھائی دیتا تھا۔ قریب تھا کہ دنیا تباہ و برباد ہو جاتی۔ قیامت سے قبل ہی قیامت برپا ہو جاتی۔ جنگ و جدل اور قتل وقتال میں مصروف دنیا کو کوئی راہ نہیں سوجھتی تھی کہ کیسے اس قتل و غارت گری سے دنیا کو بچایا جائے۔ اسی رستاخیزی اور خون آشامی کے پیشِ نظر جمعیت اِقوام ,Société des Nations کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا بنیادی مقصد دنیا میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے عالمی سطح پر ابھرنے والی ان سیاسی رنجشوں کا سدِ باب کرنا تھا جو بعد ازاں جنگوں کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں سے قریب المرگ انسانیت کے لیے جمعیت اِقوام عالم کی تشکیل سراسر زندگی کی نوید تھی۔ عالمی سطح کی سیاسی قیادت اور دانشور طبقے کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کا عام آدمی بھی اس لیگ آف نیشنز کے متعلق پر امید تھا کہ ہو نہ ہو یہی زخموں سے چور انسانیت کے لیے مرہم ثابت ہو جائے مگر دانائے راز اس عمومی طرزِ تفکر سے صدفی صد مختلف زاویہ نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جب اس خاص زاویہ نگاہ سے اپنے معاصر عالمی منظر نامے پر نظر دوڑائی تو انہیں ایک ایسی حقیقت کا ادراک ہوا کہ عمومی اور سطحی نظر رکھنے افراد کی سرحدِ ادراک سے بھی پرے تھا۔ علامہ نے یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو نئے سال کے پیغام میں فرمایا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے، لیگیں، پنچایتیں اور کانفرنسیں دنیا کو جنگ و جدل اور خون ریزیوں سے نجات نہیں دے سکتیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان لیگوں اور کانفرنسوں اور معاہدوں کے ذریعے سے طاقتور قومیں کمزور قوموں کو اپنے ظلم وستم کا شکار بنانے کے لیے زیادہ پر امن وسائل اختیار کریں۔ ضرب کلیم کی ایک نظم میں علامہ نے مجلس اقوام متحدہ جیسے اداروں کے بارے میں انہی خیالات کا اظہار کیا؛

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم

مکہ نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام جمعیت اقوام کہ جمعیتِ آدم!

مفکر انقلاب کی جمعیت اِقوام کے بارے میں جداگانہ بلکہ رائے عامہ سے متضاد رائے باعث ِ استعجاب تھی۔ جہاں جمعیت اِقوام *League of Nations* کو خاص وعام اپنی امیدوں کا مرکز سمجھتے تھے وہاں علامہ اقبال کا یہ کہنا کس قدر عجیب ہے کہ چند ایک کفن چوروں نے مل بیٹھ کر عالمی سطح پر ایک تنظیم بنالی ہے تاکہ آپس میں دست و گریباں ہونے کے بجائے مل بانٹ کر اپنے کام کو جاری رکھیں؛

برفتد تا روش رزم درین بزم کہن دردمندان ِجہان طرح نو انداختہ اند

من ازیں بیش نہ دانم کہ کفن دزدی چند   بہرِ تقسیمِ قبور انجمنی ساختہ اند

دنیائے دوں میں دردمندانِ جہاں جنگ کی ایک نئی راہ پر گامزن ہوئے ہیں جس کے متعلق میں اس سے زیادہ نہیں سمجھتا کہ قبریں تقسیم کرنے کے لیے چند کفن چوروں نے ایک تنظیم بنالی ہے۔(پیام مشرق)

عالمی سطح پر تسلیم شدہ معتبر ادارے کے حوالے سے علامہ اقبال کا نقطۂ نگاہ ممکن ہے کہ ان کے دورِ حیات میں حسبِ توقع اثرات کا حامل نہ رہا ہو لیکن اس عالمی تنظیم کا حشر اور اس کے بطن سے جنم لینے والی دوسری تنظیم یعنی اقوامِ متحدہ کا کردار موجودہ دور میں مندرجہ بالا شعر کی زندہ توضیح ہے۔جس زمانے اور جس عالمی صورت حال کے تناظر میں یہ شعر کہا گیا ہے اس میں اس کی معنوی حیثیت بظاہر حقیقتِ حال کے برعکس دکھلائی دیتی ہے لیکن دورِ حاضر میں اقوامِ متحدہ کی کارگزاری کے پیش نظر ہر صاحبِ نظر کے سامنے روز بروز اس کی عصری معنویت روشن سے روشن تر ہوتی جارہی ہے اور آج شاید ہی کوئی صاحبِ فہم و ادراک اس بات کو تسلیم کرنے میں پس و پیش سے کام لے کہ اقوام متحدہ اور دیگر عالمی تنظیمیں طاغوت کی فرمانبردار ہیں۔ضربِ کلیم میں 'جمعیتِ اقوام' کے عنوان سے اس تنظیم کے متعلق دانائے راز کی پیش بینی پر مبنی ایک اور بات ظاہر ہوتی ہے۔اس نظم میں انہوں نے کہا ہے کہ جمعیتِ اقوام اپنی کج روی کے سبب بہت جلد اپنی موت آپ مرے گی۔گویا اس کی اصل حقیقت اور اس کے قرار واقعی انجام کے حوالے سے جو پیشین گوئی علامہ نے کی تھی اس کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جمعیتِ اقوام کے اختتام (۲۰اپریل ۱۹۴۶ء) کی یہ پیشگی خبر سچ ثابت ہوئی۔علامہ فرماتے ہیں؛

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے   ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے و لیکن   پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ   ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

علامہ اقبال نے طہران کو مستقبل کے مشرقی جنیوا کا درجہ یوں ہی شاعرانہ ترنگ میں آکر نہیں دیا بلکہ انہوں نے اپنی سیاسی بصیرت اور دوربین وجدانی نگاہ کے ذریعے ان عوامل و محرکات کو درک کیا تھا جو پکار پکار کر مشرقی جنیوا کی تشکیل کا مطالبہ کررہے تھے۔لہٰذا اس شعر کی عصری معنویت تک رسائی کے لیے لازمی ہے کہ اس سے منسلک علامہ کے پیش کردہ سیاق وسباق کو نظر انداز نہ کیا جائے جس کا اظہار انہوں نے جمعیتِ اقوامِ عالم جیسی نظم اور اسی قبیل کے دیگر اشعار میں کیا ہے۔علامہ اقبال مشرق پر مغرب کی سیاسی،معاشی،تہذیبی،فکری بالادستی کے مخالف تھے اور ان کی اس مخالفت کی وجہ مشرق کے ساتھ اقبال کی پیدائشی وابستگی نہیں تھی۔بالفاظِ دیگر علامہ اقبال کی غرب بیزاری محض اس لیے نہیں تھی کہ وہ خود نسبی اعتبار سے مشرقی تھے۔اقبال مشرق پرست تھے نہ مغرب کے پرستار البتہ کسی بھی قسم کی غلامی انہیں منظور نہیں تھی اور وہ اس طرح کی

تنظیم سازی کے پسِ پردہ حقائق اور عوامل کو کھلی آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مغربی سامراج کی بنیاد مختلف قسم کی غلامی کو باقی اقوام پر لادنے پر قائم ہے اور اپنے ابلیسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے طاغوتی طاقتیں مختلف ادوار میں مختلف دلکش نعرے لگاتی آئی ہیں۔ اقبال مغرب کے سیاسی قمار بازوں کی طینت سے واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی انجمن سازی کے دامِ فریب میں فکرِ اقبال کا شاہین گرفتار نہ ہو سکا۔ اقبال ظاہر بین نہیں تھے کہ مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک پر فریفتہ ہو جاتے بلکہ ان کی ژرف نگاہی اس کے پر فریب خول کو چیرتی ہوئی اس کے اندرون تک جا پہنچتی ہے اور اس کی اصل حقیقت کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس دور میں مشرقی انسان علی الخصوص دانشور طبقہ مغرب کی روشِ زندگی کو مشرق کی بقائے حیات کا ضامن گردانتا ہے ٹھیک اسی دور میں اقبال فرنگی معاشرے کو آخری پہر کا چراغ سمجھتے ہیں جس کی لو کے حد سے زیادہ بھڑکنے کو اس کے بہت جلد گل ہونے کی علامت تصور کیا جاتا ہے؛

نظر آتے نہیں بے پردہ حقایق اُن کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور

بظاہر جمعیتِ اقوام اور دیگر عالمی تنظیموں کی تشکیل کا واحد مقصد بین الملل تنازعات کا حل تھا لیکن دراصل فرنگی استعمار کی سیاسی، تہذیبی، اقتصادی اور ثقافتی اجارہ داری کو بین الاقوامی سطح پر آئینی شکل دینے کے لیے اس طرح کی تنظیمیں وجود میں لائی گئیں اور اقوام عالم کی نمائندگی کرنے والی یہ تنظیمیں عالمی سامراج کی محض آلہ ءکار ہو کر رہ گئیں۔ اگر علامہ اقبال مغرب کے جنیوا سے مرعوب نہیں ہیں اور مغرب کے سیاسی رہنماؤں کی تشکیل کردہ جمعیتِ اقوام، اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی تنظیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ اس طرح کی انجمنوں کو 'عالمی کفن چوروں' کی کارستانی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں تو کیا اقبال کے یہاں مغرب کی اس پر فریب حکمت عملی کا کوئی متبادل نظریہ تھا یا وہ محض تنقید کو ہی کافی سمجھتے ہیں؟ یقیناً فکرِ اقبال میں توازن و تبادل پایا جاتا ہے۔ جہاں کہیں وہ کسی ایک فکر کو رد کرتے ہیں وہاں وہ اس کی متبادل اور متوازن فکر بھی پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے مغرب کے جنیوا کو یوں ہی رد نہیں کیا بلکہ مشرق کے جنیوا کا تصور بھی ان کے پیشِ نظر تھا۔ وہ مشرق و مغرب کے مابین سیاسی، علمی، سائنسی اعتبار سے طاقت کے عدم توازن کو تمام تر ناانصافیوں کا پیش خیمہ گردانتے ہیں اور وہ اس عدم توازن کو ہر سطح پر ختم کرنے کے عزم بالجزم سے مشرق علی الخصوص دنیائے اسلام کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں؛

عشق صادق ہے مجھے ترکی و ایران کے ساتھ
دل کے ہمراہ یہ ہے، وہ ہے میری جان کے ساتھ

ہند میں دور کی نسبت ہے مراکو سے مجھے
سلسلہ ملتا ہے اس کا عربستان کے ساتھ

جو مسلمان ہے دنیا میں میرا بھائی ہے
میں مسلمان ہوں، کہتا ہوں یہ ایمان کے ساتھ

بول بالا رہے اسلام کا دنیا میں سدا
وعظ توحید و رسالت کا ہو قرآن کے ساتھ

(اقبال)

جمعیت اِقوام عالم ہو یا اقوام متحدہ ان کی تشکیل کے پس پشت مغربی امپیریلزم کا یہ مقصد بھی کارفرما تھا کہ پوری دنیا کی سیاسی طاقت کو مرتکز کیا جائے اور اس مغربی امپیریلزم کے تمام سیاسی حریفوں کو ٹھکانے لگانے میں یہ مرتکز سیاسی قوت کام آجائے۔علامہ اقبال اس بات کے متمنی رہے کہ اس سیاسی قوت کے مدمقابل ایک متبادل سیاسی قوت مشرقی دنیا میں بھی ابھرے تاکہ مغرب کی اجارہ داری کا کماحقہ سدباب ہوسکے اور سیاسی قوت کے عدم توازن کا کسی حد تک سدِ باب ہو۔اس مجوزہ مرکز کے خدوخال انہوں نے اپنی ایک نظم میں واضح طور پر ابھارے ہیں ؛

پانی بھی مسخر ہے، ہوا بھی ہے مسخر کیا ہو جو نگاہ ِ فلک ِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیت ِ افرنگ نے جو خواب ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

قائد انقلاب سید روح اللہ خمینیؒ فکر اقبال میں مردِ مومن ہیں۔عقابی روح ،بلند نگاہ، دلنواز سخن اور پرسوز جان رکھنے والے امام خمینیؒ نے امت مسلمہ کا میر کارواں ہونے کا حق ادا کر دیا۔اسلامی طرز حکمرانی اور جمہوری سیاست سید روح اللہ کے مقدس وجود سے ایک تن آور درخت بن چکا ہے جس کے سائے میں مستضعفین جہاں طاغوتی حدتوں سے بچنے کے لیے سایہ اور سکون تلاش کرتے ہیں۔آپ نے اسلامی انقلاب کی قیادت و رہبری کی ملکی و غیر ملکی تمام تر رکاوٹوں اور مادی وسائل کی قلت کے باوجود پوری ملت کو اپنے گرد جمع کر کے نہ صرف اس اسلامی جمہوریت کو ایران میں کامیابی سے ہمکنار کیا بلکہ پورے عالم اسلام میں حریت کا پرچم لہرادیا۔مسلمانوں میں ایک نئی امنگ، ولولہ انگیز بیداری و آگہی کی انقلابی کیفیت پیدا کر دی۔یقیناً یہ ہستی عالم اسلام کی غیر معمولی اور استثنائی شخصیت کی حامل ہے جس کی قیادت میں ۱۹۷۹ء میں دنیائے اسلام کا پہلا جمہوری انقلاب رونما ہوا جس کے نتیجے میں مشرق وسطیٰ کا سب سے طاقتور شاہی نظام حکومت زمین بوس ہو گیا؛

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

(اقبال)

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جب مصر میں اَلْاَزْھَرِ الشَّرِیفْ کا علمی دبدبہ، صوفیہ کی روحانیت، ہر دلعزیزی اور نظم وضبط آپس میں مل جائیں تو انقلاب ظہور پذیر ہوگا۔ایران کے تناظر میں یہ تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی شخصیت میں جمع کر دی تھیں۔

امام خمینی علم فقہ کے بلند مقام پر فائز تھے اور ایرانی عوام کی اکثریت مسائل فقہ میں ان ہی کی طرف رجوع کرتی تھی۔تصوف و عرفان کے لحاظ سے ان کا شمار صاحب حال اہل اللہ میں ہوتا تھا۔ان کی عارفانہ

غزلیں مترنم تاثیر رکھتی ہیں۔ان کے پیروکاروں نے بالعموم اور طلباء وتلامذہ نے بالخصوص کمال نظم وضبط کے ساتھ ان کے انقلابی پیغام کو ایران کے شہرو دیہات اور کوچہ و بازار میں اس طرح سے پھیلایا کہ شاہی جبرواستبداد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور انقلاب کی پرنور صبح کے طلوع ہونے کا رستہ ہموار کیا۔آپ کی قیادت میں اہل ایران کی جمہوری کروٹ، اسلامی انقلاب کی فتح سے دنیا کے دیگر علاقوں میں جابر اور سامراج نظام کی بدعنوانی اور فسادی سرگرمیاں بے نقاب ہوئیں۔آیت اللہ خمینی ایک اصولی اور گہری سوچ رکھنے والے قائد تھے جنہوں نے ایران میں انقلاب کے شروع دن سے عوام کے دل جیت لیے۔انہوں نے ایران میں اسلامی نظام کی بنیاد رکھ کر دنیا میں معتدل حکمرانی کا طریقہ روشناس کرایا۔آپ نے جمہوریت کو اپنے مقاصد کا اہم ستون قرار دیا اور آج انقلاب کی فتح سے کئی سال گزرنے کے باوجود اسلامی جمہوریہ کے نظام میں جمہوریت روشن ستارے کی طرح چمک رہی ہے۔آیت اللہ خمینی کی قیادت میں اسلامی انقلاب نے دنیا کو اچھی حکمرانی اور اصولی نظام سے متعارف کرایا۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جوخواب حکیم الامت علامہ اقبال نے دیکھا تھا بیسویں صدی کے بے مثال قائد رہبر انقلاب نے اسے تعبیر بخش دی۔آپ نے اس جہان رنگ و بو میں اس صدی کا تاریخی کردار سرانجام دیا۔گذشتہ صدیوں میں فرانس، چین، افریقہ، یورپ، عرب، ہندوستان اور افغانستان میں انقلاب رونما ہوئے لیکن ان میں کوئی بھی سو فیصد اسلامی نظریے کی بنیاد پر وقوع پذیر نہیں ہوا جبکہ حضرت امام خمینی کے زیر قیادت ایران میں رونما ہونے والا انقلاب خالصتاً اسلامی نظریے کی بنیاد پر وقوع پذیر ہوا۔آپ کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کے موجودہ نتائج سے یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ مستقبل قریب میں عالمی سامراج اس کے اثرات کی لپیٹ میں آ کر نابود ہونے والا ہے تب دنیا سے نسلی، گروہی اور لسانی امتیازات ختم ہو جائیں گے۔ اجتہاد عظیم کے ذریعے فروعی اختلافات دور کردیے جائیں گے۔حکیم الامت علامہ محمد اقبال Reconstruction of Religious Thought in Islam میں فرماتے ہیں؛

> سیاست کی بنیادیں انسان کی روحانی زندگی میں ہیں۔ یہ میرا ایمان ہے کہ اسلام ذاتی رائے کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ ایک سماج ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ آج کے سیاسی معیارات، جیسا کہ وہ برصغیر میں صورت اختیار کرتے نظر آتے ہیں، شاید اس کے اصل ڈھانچے اور خصوصیات کو متاثر کریں جس وجہ سے میں اپنے آپ کو سیاست میں دلچسپی لیتا محسوس کرتا ہوں۔اسلام میں بادشاہت نہیں ہے۔نبی اکرم کا فرمان عالیشان ہے کہ: تم میں سے بہترین وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔کوئی امتیازی طبقہ نہیں

ہے، نہ ہی کوئی پاپائیت ہے اور نہ کوئی ذات پات کا نظام۔ اب تمام مومنین کے لیے مساوات کے اس اصول نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو دنیا کی عظیم ترین سیاسی قوت بنا دیا۔ اسلام نے ایک مساواتی قوت کے طور پر کام کیا، اس نے فرد کو اپنی باطنی قوت کا احساس دیا اور نچلے طبقے کو لوگوں کو اوپر لایا۔ پسے ہوئے طبقے کو اوپر لانا برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی قوت کا سب سے بڑا راز تھا۔ پیغمبر اسلام، قدیم اور جدید دنیاؤں کے سنگم پر دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں تک آپ کی وحی کے منابع کا تعلق ہے، اس کا تعلق قدیم دنیا سے ہے۔ آپ میں زندگی علم کے کچھ دوسرے ذرائع دریافت کرتی ہے جو اِس کی نئی سمتوں کے لیے موزوں ہیں۔ اسلام کی آفرینش، عقل اِستقرائی کی آفرینش ہے۔ اسلام میں پاپائیت اور موروثیت کا خاتمہ، قرآن میں استدلال اور تجربہ (عقل) پر مسلسل اصرار اور اس کا بار بار فطرت اور تاریخ کو انسانی علم کا ذریعہ قرار دینا، یہ سب اسی تصورِ ختمِ نبوت کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ واضح ہے کہ قرآن میں بتایا گیا کہ بنیادی اصول، الیکشن کا اصول ہے۔ اس کی تفصیلات یا اس اصول کی ایک فعال حکومتی نظام کے لیے تشریح دیگر معاملات پر غور وفکر سے معلوم کرنے کے لیے چھوڑ دی گئی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے الیکشن کا تصور خالصتاً جمہوری خطوط پر قائم نہیں ہوا اور نتیجتاً مسلمان فاتحین ایشیا کی سیاسی بہتری کے لیے کچھ بھی کرنے میں ناکام رہے۔ اسلام کے اس بنیادی نظریے کی رو سے کہ اب مزید کسی نئی وحی کی حجیت باقی نہیں رہی۔ ہمیں روحانی اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ آزاد اور نجات یافتہ قوم ہونا چاہئے۔ ابتدائی مسلمان جنہوں نے قبل از اسلام کے ایشیا کی روحانی غلامی سے نجات حاصل کی تھی، اس حالت میں نہیں تھے کہ وہ اس بنیادی نظریے کی معنویت کو جان سکیں۔ آج کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی اس اہمیت کو سمجھیں۔ بنیادی اصولوں کی روشنی میں اپنی عمرانی زندگی کی از سرِ نو تشکیل کریں اور اسلام کے اس حقیقی مقصد کو حاصل کریں جس کی تفصیلات تا حال ہم پر پوری طرح واضح نہیں ہیں یعنی روحانی جمہوریت کا قیام۔

عالمی سیاست پر انقلاب اسلامی کے اثرات

انقلاب کے بعد ایران میں امام خمینی اور ان کے اسلامی تصورات پہ مبنی نظام حکومت جس کامیابی سے چل رہا ہے وہ ہر مسلمان کے لیے باعث اِطمینان اور قابل تقلید ہے۔ عالم اِسلام میں سیاسی اصلاحات اور مثبت تبدیلیوں کے لیے ایران کے انقلابی نظام سِیاست کی کامیابی بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور اس کے عالم اِسلام کے مستقبل پر سیاسی لحاظ سے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ ایران کے اسلامی جمہوری نظام کی متواتر کامیابیوں سے فکری جمود کا شکار انتہا پسند طبقہ نالاں ہے اور یہ پروپیگنڈا کرتا ہے کہ ایران کا انقلابی نظامِ حکومت جمہوری نہیں ہے کیونکہ جمہوری نظام حکومت کے

مقابلے میں دنیا میں استبدادی، آمرانہ اور مطلق العنانیت پر مبنی نظامِ حکومت رائج ہیں۔ اس لیے ان کا کسی نظام کو غیر جمہوری کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نظام استبدادی، آمرانہ اور مطلق العنانیت سے عبارت ہے۔ انقلاب اسلامی سے پہلے ایران کے سیاسی منظرنامے پہ اقبال نے کہا؛

ترک و ایران و عرب مست فرنگ　　هر کسی را در گلو شست فرنگ
مشرق از سلطانیٔ مغرب خراب　　اشتراک از دین و ملت برده تاب

کسی بھی جمہوری نظامِ حکومت میں عوام کو حکومت منتخب کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جمہوری نظاموں میں عوام کو بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ قانونی مساوات، آزاد عدلیہ، حکومت کا عوام اور عوامی نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہونا اور افراد پر قانون کی بالادستی جمہوریت کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اس لیے اگر کسی نظام کو جمہوری کہا جائے تو گویا اسے اچھا نظام حکومت ہونے کی سند دی جاتی ہے اور جس نظام کو غیر جمہوری اور استبدادی کہا جائے تو اسے گویا ناپسندیدہ اور برا نظام قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ کے نزدیک؛

متاع معنی بیگانه از دون فطرتان جوئی　　ز موران شوخی طبع سلیمانی نمی آید
گریز از طرز جمهوری غلام پخته کاری شو　　که از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

ایران کا جمہوری انقلاب چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا پہلا عوامی انقلاب تھا جس کے بعد ایک نئے نظام کی تشکیل و تعمیر کے عمل کا آغاز ہوا۔ یہ نظام نہ صرف جمہوری بلکہ مثالی جمہوری نظام ہے جو کامیابی کے ساتھ گذشتہ چالیس سالوں سے جاری و ساری ہے۔ انقلاب کے بعد ایک آئین مرتب کیا گیا۔ یکم اپریل ۱۹۷۹ء کے دن یہ دستور عوام کے سامنے منظوری کے لیے پیش کیا گیا۔ ایرانی عوام نے بیک آواز اس کی منظوری دے دی۔ جمہوری نظاموں میں آئین، عوام یا عوام کے نمائندے منظور کرتے ہیں اور ایران میں بھی عوام نے اسلامی جمہوری آئین کا انتخاب کیا؛

هستیِ مسلم ز آئین است و بس　　باطن دین نبی این است و بس
برگ گل شد چون ز آئین بسته شد　　گل ز آئین بسته شد گلدسته شد

(اقبال)

ایران کے آئین کی رو سے رہبر کا منصب سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ پہلے رہبر کے منصب پر فائز ہونے کے لیے ایران کی اکثریت کے لیے مرجع تقلید ہونا شرط تھا۔ چونکہ تقلید عام مسلمان اپنی آزاد مرضی سے کرتے ہیں اس لیے یہ طریقہ بھی عین جمہوری تھا۔ اس وقت مجلس خبرگان کا رہبر کے انتخاب میں یہ کام تھا کہ وہ اس بات کا تعین کرے کہ کس مجتہد کی ایرانی عوام کی اکثریت تقلید کرتی ہے۔ ایران کے موجودہ رہبر سید علی خامنہ ای عوام کی منتخب کردہ مجلسِ خبرگان سے منصب رہبری

کے لیے چنے جانے سے پہلے دو مرتبہ ایران کے صدارتی منصب پر براہ راست انتخاب کے ذریعے بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے تھے۔ایران میں مقننہ یعنی مجلس شوریٰ کا انتخاب وقفے وقفے سے علماء اور عوام رائے دہی کے اصول پر کرتے ہیں۔انقلاب کی کامیابی سے لے کر آج تک مجلس کا انتخاب آئینی تقاضوں کے مطابق وقت مِقررہ پر ہوتا رہا ہے۔ایران میں انتظامیہ کا سربراہ صدر ہوتا ہے۔صدر کا انتخاب بھی عوام براہ راست رائے دہی کے اصول پر وقفے وقفے سے کرتے ہیں۔ قائد اِنقلاب سے لے کر آج تک ہمیشہ صدارتی انتخاب آئینی تقاضوں کے مطابق وقت مقررہ پر ہوتے رہے ہیں۔صدر کابینہ کے وزراء کو نامزد کرتا ہے اور عوام کی منتخب مجلس کے سامنے منظوری کے لیے پیش کرتا ہے۔

جمہوری اسلامی ایران ایک فلاحی ریاست ہے اور ہر ترقی یافتہ جمہوری معاشرے اور ملک کی طرح ایران میں بھی لوگوں کو آزادی اور بنیادی حقوق حاصل ہیں۔عدلیہ، انتظامیہ کے اثر سے آزاد ہے۔قانونی مساوات بھی ہے اور قانون وآئین کی بالادستی بھی۔نیچے سے لے کر صدر اور رہبر تک ہر کوئی دستور کا پابند ہے۔ ہر کسی حکومتی عہدہ دار کا احتساب ہوتا ہے۔وزرا، صدر اور پارلیمان کے سامنے جوابدہ ہیں۔صدر، پارلیمان، رہبر کے سامنے جوابدہ ہے اور رہبر منتخب مجلس خبرگان کے سامنے جوابدہ ہیں۔کوئی شخص آئین وقانون سے برتر نہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہر شخص آئین وقانون کا زیردست ہے چاہے وزرا ہوں، صدر ہو یا رہبر۔آمر اور مطلق العنان حکمرانوں کو ایران کا نظامِ حکومت کھٹکتا رہتا ہے کیونکہ اس میں بادشاہ نہیں بلکہ عوام کا منتخب کردہ نمائندہ حکمرانی کرتا ہے جو براہ راست عوام کو جوابدہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ استعمار اور اس کے اتحادیوں نے ہمیشہ ان کے خلاف پروپیگنڈا کیا مگر تاریخ گواہ ہے کہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ شکست ہوئی۔انقلاب اسلامی کے خلاف ان کی تمام سازشیں ناکام ہوگئیں اور اسلامی جمہوریہ ایران ۴۰ سال بعد بھی علم وسائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف شعبوں میں ترقی اور پیشرفت کی شاہراہ پر گامزن ہے۔آج ایران کی ترقی اور استحکام اور قومی اتحاد ویگانگت نے اسلامی جمہوریہ کو ایک مضبوط قوت میں بدل کر رکھ دیا ہے اور یہ کریڈٹ بھی قائد انقلاب حضرت آیت اللہ خمینی کو ہی جاتا ہے کہ ایران آج دنیا کی سپر طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ایران کے اسلامی انقلاب نے ملک وملت کی تقدیر ہی بدل کر رکھ دی ہے۔ ہر طبقہ ءفکر کو اس کے حقوق حاصل ہیں۔حکومت اپنے مقاصد کو پروان چڑھا رہی ہے۔ایرانی قوم میں موجود اتحاد و اتفاق اور قوم پرستی کی بدولت یہ عناصر اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ عوام کی اکثریت اسلامی انقلاب کے ثمرات سے استفادہ کر رہی ہے۔انقلاب اِسلامی کے رہبر ورہنما کی قیادت نے کرۂ ارض کا نقشہ بدل دیا ہے۔ایرانی قوم کے ساتھ مل کر آپ نے

ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس کے اثرات وثمرات دنیا میں اپنا نفوذ بڑھاتے چلے جارہے ہیں۔بیسویں صدی کے عظیم اسلامی لیڈر اور قابل فخر فرزند اِسلامی جمہوری ایران نے عہدِ حاضر کا تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا۔تاریخ عالم کے اسی موڑ کی جانب حکیم الامت نے آگاہ کیا؛

میرسد مردی کہ زنجیر غلامان بشکند دیدہ ام از روزن ِ دیوارِ زندان شما

نکتہ سنج خاوراں ہندی فقیر

ایران میں آیت اللہ خمینیؒ کی زیر قیادت بیسویں صدی کے اس عظیم انقلاب نے ساری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور عالم اِنسانیت کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یقین محکم کے ساتھ دنیا میں تاریخ کے رخ بدلے جاسکتے ہیں۔ایک ایسا منظر جو کرۂ ارضی کے اربوں انسانوں نے اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھا۔ایک ایسی تبدیلی جو زندہ حقیقت کا روپ دھار کر دنیا بھر میں نہ صرف اسلامی فکر وفلسفے کے فروغ کا باعث بنی بلکہ یہ شوق،جذبے اور جنون کی ایسی داستان بن گئی جس سے ساری دنیا حیران تھی۔باطل پرلرزہ طاری تھا اور سامراجی قوتوں کے بت پاش پاش ہو رہے تھے۔انقلاب عظیم نے عالم اِنسانیت کو نئی صبح کی نوید دی جس سے یاس وامید کی شمعیں روشن ہوئیں۔ایک ایسا انقلاب جس میں ایک لاکھ فرزندان توحید نے اپنے خون کی قربانی دے کر کفر وباطل پر کاری ضرب لگائی اور حق وصداقت کی آواز سے کرۂ ارضی کی تاریخ بدل دی۔سچائی کا یہ انقلاب حضرت امام خمینیؒ کی ایمان افروز اور ولولہ انگیز قیادت کا عالیشان معرکہ اور مظہر تھا جس نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بیداری کی نوید ثابت ہوا جو تمام عالم اسلام کے لیے باعث فخر ہے۔اِس وقت حضرت امام خمینی کے بلند وبالا کردار اور اسلامی انقلاب کے اثرات دنیا بھر میں دن بدن پھیلتے چلے جارہے ہیں۔مشرق سے ابھرنے والے خورشید خاور کو سپاس پیش کرتے اقبال کہتے ہیں؛

گرچہ از مشرق بر آید آفتاب با تجلی ہائی شوخ و بی حجاب
در تب و تاب است از سوز درون تا ز قید شرق و غرب آید برون
فطرتش از مشرق ومغرب بری ست گرچہ او از روی نسبت خاوری ست

مادہ پرستی ختم ہو کر حق پرستی میں تبدیل ہورہی ہے۔دنیا بھر کی شیطانی اور کفریہ طاقتیں اپنے تمام تر ظلم،جبر اور جنگ وجدل کے باوجود ناکامی ونامرادی کی دلدل میں دھنس رہی ہیں۔عالم انسانیت میں فکر وسوچ کی یہ تبدیلی کرۂ ارضی پر امن وسکون کے قیام کا ذریعہ اور عالمی امن کی نوید ہے جس سے فرش زمین پر پیار،محبت اور امن کے پھول کھلیں گے۔اس تاریخی انقلاب کی بدولت ہر سو اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔حضرت امام خمینیؒ کا تاریخی کردار رہتی دنیا تک ایک یادگار پیغام بن کر انسانوں کے دلوں کو گرماتا اور انھیں اسلام کے اعلیٰ وارفع نصب العین کی طرف رہنمائی کرتا رہے گا۔

آئندہ آنے والی نسلیں اس کی روشنی میں اپنی زندگی کے راستے متعین کریں گی۔ ساری دنیا میں حق کا جھنڈا بلند ہوگا۔ کرۂ ارضی کے اسی انقلاب کی رہنمائی کرتے شاعر مشرق کہتے ہیں؛

ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم   چون نگہ نور دو چشمیم ویکیم
از حجاز و چین و ایرانیم ما   شبنم یک صبح خندانیم ما
مست چشم ساقئ بطحاستیم   در جہان مثل می و میناستیم
چون گل صد برگ ما را بو یکیست   اوست جان این نظام و او یکیست

میر سر بازان ایران است او

گیارہ فروری کو باقاعدہ طور پر انقلاب اِسلامی کی فتح و کامرانی کا دن قرار دیا گیا جس سے ایران میں طرب زار مغرب زدہ زندگی کے چراغ بجھ گئے اور اسلامی معاشرت کا رنگ چار سو نظر آنے لگا۔ جمہوری اسلامی ایران کی موجودہ قیادت پر اسلامیانِ عالم کی خصوصی توجہ مرکوز ہے۔ قائد انقلاب کے افکار و کردار اور روح کو گرما دینے والے تمام پیغامات مسلمانوں کے قلوب کی زرخیز زمین پر فصلِ بہاراں کی مانند مستقل رنگ جما چکے ہیں۔ آپ کی سوچ نے نہ صرف اسلام پسندوں کی زندگی کو بدل دیا ہے بلکہ باطل قوتیں بھی استعجاب میں مبتلا ہیں اور عالمی سامراج آپ کی اخلاقی فتوح سے انگشت بدنداں ہے۔ آپ کے دلی جذبوں، اُمنگوں، حوصلوں اور فکر و شعور نے طاغوت کو نزع کی کیفیت سے دو چار کر دیا ہے۔

عہدِ حاضر میں ایران کا انقلاب اسلامی اقوام عالم کے لیے بالعموم اور مستضعفین جہاں کے لیے بالخصوص علم وعمل کا خورشیدِ خاور ہے جو فرزندانِ اِسلام کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں مظلوموں کی حمایت کے لیے نہ صرف موثر آواز اٹھا رہا ہے بلکہ عملی طور پر دنیا کے مظلوموں اور دنیا میں مظلوم بنا دی جانے والی اقوام کی مدد و نصرت کو اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہوئے اس کی ادائیگی میں مصروفِ عمل ہے۔ انقلاب اسلامی ایران ہی ہے کہ جس نے اپنے قیام کے بنیادی مقاصد میں اولین مقصد عوام کی مدد و نصرت قرار دیا اور دنیا بھر کے مظلومین کی حمایت کو اپنا بنیادی اصول قرار دیا۔ چالیس برس کا عرصہ بیت جانے کے بعد بھی دنیا اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب ترقی کرتا ہوا منزلوں کو طے کر رہا ہے اور عملاً دنیا کے مظلوموں کی حمایت میں سرفہرست، عالمی سامراج اور طاغوتی طاقت کے سامنے سینہ سپر ہے۔ ۱۹۷۹ء میں جو انقلاب سرزمینِ ایران پر امام خمینی کی قیادت میں وقوع پذیر ہوا آج بھی مستحکم ہے اور اس کی عطر بیز ہوائیں دنیا کے دیگر ممالک میں تیزی سے پھیل رہی ہیں جبکہ کرۂ ارض پر فکری بیداری بھی اسی انقلاب اسلامی کی مرہونِ منت ہے۔

منابع

۱۔مستی عاشقان خداازسبوی ماست دیوان امام خمینیؒ ۲۔کلیات شعراقبال ۳۔دیوان اقبال فارسی ۴۔کلیات باقیات شعر اقبال
۵۔شذراتِ اقبال ۶۔تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ۷۔کلیات مکاتیب اقبال
۸۔اقبال اور قرآن ازغلام مصطفٰی خان ۹۔مقالات اقبال ازعبدالواحد معینی
۱۰۔ ذخیرئہ اقبال ازہارون تبسم ۱۱۔ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ازعلامہ اقبال
۱۲۔اقبال اور شیکسپیئر کا اجمالی جائزہ ازاعجاز الحق
۱۳۔علامہ اقبال مصلح قرن آخر ازعلی شریعتی ۱۴۔ مارکسی فلسہ اشتراکیت از پروفیسر وہاب
۱۵۔ زوال سے اقبال تک قیام پاکستان کا نظریاتی پس منظر از ڈاکٹر محمد جہانگیر تمیمی ; Translated by Arthur John Arberry.

16. *The Mysteries of Selfessness* by Iqbal

17. *The Secrets of the self by Iqbal*; Translated by Reynold A. Nicholson.

18. *The development of Metaphysics in Persia A contribution to the history of Muslims Philosophy* by Iqbal.

19. *Philosophy in the Islamic world* by Peter Adamson.

20. *Ancient religions and Modern Politics* by Michael Cook.

21. *A Voice from the East Poetry of Allama Iqbal* by Zulfiqar Ali Khan.

22. *Iqbal Manifestation of the Islamic Spirit* by Seyyed Ali Khamenei and Ali Shariati.

23. *Gabriels's wing* by Iqbal; Annmerrie Shimmel.

24. *Orientalia Lovaniensia analecta Volume 94*. A Descriptive Bibliography of Allama Muhammad Iqbal.

25. *The glory of Iqbal* by Abul Hasan Ali Nadwi.

26. *Social origins of the Iranian Revolution* by Misagh Parsa.

27. *The Iranian revolution and its global impact* by John L. Esposito.

28. *The Unthinkable Revolution in Iran* by Charles Kurzman.

29. *Religious statecraft; The politics of Islam in Iran* by Muhammad A. Tabaar.

30. *Dynamics of the Iranian Revolution*: Jahangir Amuzegar.

***